

”لیکن میں آپ پریشن تو ہرگز نہ ہونے دوں گی۔“ بیگم صاحبہ نے خط و اپس کرتے ہوئے کہا۔
”دیکھئے مختصر میں..... یہاں آپ کی رائے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ نواب صاحب
کے طبقہ مشیر ہونے کی حیثیت سے اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ کریں
تیواری کی عدم موجودگی میں میں قانوناً اپنے حق کو استعمال کر سکتا ہوں۔“

”قطیعی..... قطیعی..... ڈاکٹر صاحب۔“ کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر ڈاکٹر شوکت
میرے چچا کو اس مہلک مرض سے نجات دلادیں تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔
میرا بھی سبی خیال ہے کہ اب آپ پریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔“

”سلیم!“ نواب صاحب کی بہن نے گرج کر کہا۔

”پھر بھی صاحب..... میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک محبت کرنے والی بہن کا دل رکھتی ہیں۔

”لیکن ان کی محبت کی خاطر دل پر پھر رکھنا ہی پڑے گا۔“

”کنور بھیا..... آپ اتنی جلد بدل گئے۔“ نجمر نے کہا۔

”کیا کروں نجمر..... اگر کریں تیواری موجود ہوتے تو میں کبھی آپ پریشن کے لئے تیار نہ
ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تمہیں بتاؤ بچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔“

”کیوں صاحب کیا آپ پریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہو سکتی؟“ نواب صاحب کی
بہن نے ڈاکٹر شوکت سے پوچھا۔

”یہ تو میں مریض کو دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔“ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں ہاں ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔

نواب صاحب جس کمرے میں تھے وہ اپری منزل میں واقع تھا۔ سب لوگ نواب
صاحب کے کمرے میں آئے۔ وہ کمبل اور چھے چٹ لیٹے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ
گھری نیند میں ہوں۔

ڈاکٹر شوکت اپنے آلات کی مدد سے ان کا معائنہ کرتا رہا۔

”مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ آپ پریشن کے بغیر کام نہ ٹلے گا۔“ ڈاکٹر شوکت نے اپنے

آلات کو پہنڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر سب لوگ نیچے واپس آگئے۔

ڈاکٹر شوکت نے نواب صاحب کے خاندان والوں کو کافی اطمینان دلایا۔ ان کی تشغیل کے لئے اس نے ان لوگوں کو اپنے بے شمار خطرناک کیسوں کے حالات تذاہا۔ نواب صاحب کا آپریشن تو ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا۔

”چھوپھی صاحبہ آپ نہیں جانتیں۔“ بیگم صاحبہ سے سلیم نے کہا۔ ”ڈاکٹر شوکت صاحب کا ٹانی پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔“

”میں کس قابل ہوں۔“ ڈاکٹر شوکت نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ ”سب خدا کی مہربانی اور اس کا احسان ہے۔“

”ہاں یہ تو بتائیے کہ آپریشن سے قبل کوئی دوا وغیرہ دی جائے گی۔“ کنور سلیم نے پوچھا۔
”فی الحال ایک انجکشن دوں گا۔“

”اور آپریشن کب ہوگا۔“ نواب صاحب کی بہن نے پوچھا۔

”آج ہی..... آٹھ بجے رات سے آپریشن شروع ہو جائے گا۔ چار بجے تک میرا استنشت اور دوڑ سیسیں یہاں آ جائیں گی۔“

”میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔“ نواب صاحب کی بھائیجی نے کہا۔

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ”میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ کیس کچھ ایسا خطرناک نہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپریشن کامیاب ہوگا۔ آپ لوگ قطعی پریشان نہ ہوں۔“

”ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کیجئے۔“ کنور سلیم ہنس کر بولا۔
”بخاری عورتوں کے بس میں گھبرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“

نواب صاحب کی بہن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور نجمر کی پیشانی پر ٹکنیں پڑ گئیں۔

”میرا مطلب ہے چھوپھی صاحبہ کہ کہیں ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں کی حالت دیکھ کر

بدول نہ ہو جائیں۔ اب چچا جان کو اچھا ہی ہو جانا چاہئے۔ کوئی حد ہے انہارہ دن ہو گئے ابھی تک بے ہوشی زائل نہیں ہوئی۔“

”تم اس طرح کہہ رہے ہو گویا ہم لوگ انہیں صحت مند دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں!“ یہکم صاحبہ نے منہ بنا کر کہا۔

”خیر..... خیر.....!“ فیملی ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ”ہاں تو ڈاکٹر شوکت میرے خیال سے اب آپ انجکشن دے دیجئے۔“

ڈاکٹر شوکت، ڈاکٹر توصیف اور کنور سلیم بالائی منزل پر مریض کے کمرے میں چلے گئے اور دونوں ماں پیشیاں ہال عی میں رک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ نجھہ کچھ کہہ رہی تھی اور نواب صاحب کی بہن کے ماتھے پر ٹلتیں ابھر رہی تھیں۔ انہوں نے دو تین بار زینے کی طرف دیکھا اور پاہر نکل گئیں۔

انجکشن سے فارغ ہو کر ڈاکٹر شوکت، کنور سلیم اور ڈاکٹر توصیف کے ہمراہ باہر آیا۔

”اچھا کنور صاحب اب ہم لوگ چلیں گے۔ چار بیجے تک ترسیں اور میرا استفت آپ کے یہاں آجائیں گے اور میں بھی ٹھیک چھبیسے یہاں پہنچ جاؤں گا۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”تو میں قیام کیجئے نا....!“ سلیم نے کہا۔

”میں..... ڈاکٹر توصیف کے یہاں ٹھیک رہے گا اور پھر قبے میں مجھے کچھ کام بھی ہے۔

”ہم لوگ چھبیسے تک یقیناً آجائیں گے۔“

ڈاکٹر کار میں بیٹھے گئے لیکن ڈاکٹر شوکت کی پے درپے کوششوں کے باوجود بھی کار اشارت نہ ہوئی۔

”یہ تو بڑی مصیبت ہوئی۔“ ڈاکٹر شوکت نے کار سے اتر کر مشین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”مکرمت کیجئے..... میں اپنی گاڑی نکال کر لاتا ہوں۔“ کنور سلیم نے کہا اور لبے ڈگ بھرتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ جو پرانی کوشی کے قریب واقع تھا۔

تموزی دیر بعد نواب صاحب کی بہن آگئیں۔

”ڈاکٹر شوکت کی کار خراب ہو گئی۔ کنور صاحب کار کے لئے گئے ہیں۔“ ڈاکٹر توصیف نے ان سے کہا۔

”اوہ..... کار تو میں نے ہی شہر بھیج دی ہے اور بھائی جان والی کار عرصہ سے خراب ہے۔“

”اچھا تو پھر آئیے ڈاکٹر صاحب ہم لوگ پیدل ہی چلیں..... صرف ڈیزھ میل تو چلانا ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر توصیف! مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔“ نواب صاحب کی بہن نے کہا۔

”اگر آپ لوگ شام تک یہیں خبریں تو کیا مقصائد ہے۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چند ضروری تیاریاں کرنی ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب کو آپ روک لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

”آپ کچھ خیال نہ کیجئے.....!“ بیگم صاحبہ بولیں۔ ”اگر کار شام تک واپس آگئی تو میں چھ بجے تک بھجوادوں گی۔ ورنہ پھر کسی دوسری سواری کا انتظام کیا جائے گا۔“

”شام کو تو میں ہر صورت میں پیدل ہی آؤں گا۔ کیونکہ آپ ریشن کے وقت میں کافی چاق و چبوتہ رہتا چاہتا ہوں۔“ شوکت نے کہا اور قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کنور سلیم ملا۔

”مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ اس وقت کار موجود نہیں۔ آپ یہیں رہئے آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔“

”حرج تو کوئی نہیں لیکن مجھے تیاری کرنی ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

”اچھا تو چلنے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔“

”نہیں..... شکر یہ..... راست میرا دیکھا ہوا ہے۔“

ڈاکٹر شوکت جیسے ہی پرانی کٹھی کے قریب پہنچا اسے ایک عجیب قسم کا دھیانہ تھا۔ سالی دیا۔ عجیب الحالت بوزھا پروفیسر عمران قبیلے لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”بیلو بیلو.....!“ بوزھا چینا۔ ”اپنے مکان کے قریب اجنبیوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی

ہے۔“

ڈاکٹر شوکت رک گیا۔ اے محسوس ہوا جیسے اسکے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے ہوں۔ اتنی خوفناک ٹھیک کا آدمی آج تک اس کی نظر وہ سے نہ گزرا تھا۔

”مجھ سے ملنے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔“ اس نے معافی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اور آپ.....؟“

”مجھے شوکت کہتے ہیں.....!“ شوکت نے بادل خواتین اتحاد طلباتے ہوئے کہا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ ہاتھ طلاتے وقت بوزھا کچھ سوت پڑ گیا تھا۔ بوزھے نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور قبیلہ لگاتا، اچھلا کو دنا پھر پرانی کوشی میں واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر شوکت متوجہ کردا تھا۔ دھنلا قریب کی جماعتیوں سے ایک بڑا سا کتا اس پر چھپنا۔ ڈاکٹر شوکت گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کتنے نے جست لگائی اور ایک بھی انک جنگی کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ چند سینٹنٹک وہ ترپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ ڈاکٹر شوکت کو کچھ سوچنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے بعد کچھ کچھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

”ارے یہ میرے کتنے کو کیا ہوا..... نا یگر نا یگر.....!“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ شوکت چونک پڑا۔ سامنے نواب صاحب کی بھانجی نجمر کھڑی تھی۔

”مجھے خود حیرت ہے۔“ شوکت نے کہا۔

”میں نے اس کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ کیا یہ آپ پر چھپنا تھا لیکن اس کی سزا موت تو نہ ہو سکتی تھی۔“ وہ تیز لمحے میں بولی۔

”یقین فرمائیے متر مد مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا..... اگر آپ کو مجھ پر شہر ہے تو بھلا بتائیے میں نے اسے کیونکر مارا.....؟“

نجمر کتنے کی لاش پر جھلی اسے پکار رہی تھی۔ ”نا یگر نا یگر.....!“

”بے سود ہے متر مد یہ شخص اس کا ہے۔“ شوکت کتنے کی لاش کو ہلااتے ہوئے بولا۔

”آخ را سے ہو کیا گیا۔“ نجمر نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

”میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔ بظاہر کوئی زخم بھی نہیں نظر آیا۔“

”سخت حیرت ہے....!“

”فعلنا ذا اکٹر شوکت کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وہ اسکے چیزوں کا معائنہ کرنے لگا۔

”اوہ....!“ اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکلی اور اس نے کتنے کے پنجے میں چبھی ہوئی گراموفون کی ایک سوئی گھنچی اور حیرت سے اسے دریکھ دیکھتا رہا۔

”دیکھنے تھرمہ غالباً یہ زہر ملی سوئی عن آپ کے کتنے کی موت کا سبب نہیں ہے۔“

”سوئی....!“ نجرنے چوک کر کہا۔ ”گراموفون کی سوئی.... کیا مطلب....!“

”مطلب تو میں بھی نہیں سمجھا سکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوئی خطرناک حدruk زہر ملی ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کتاب بہت گھمہ تھا۔“

”لیکن یہ سوئی یہاں کیسے آئی؟“ وہ پلکنیں جھپکاتی ہوئی بوی۔

”کسی سے گرفتی ہوگی۔“

”عجیب بات ہے۔“

شوکت نے وہ سوئی احتیاط سے تمرا میٹر رکھنے والی ٹالی میں رکھ لی اور بولا ”یہ ایک دلچسپ چیز ہے۔ میں اس کا کیسا وی تجویز کروں گا۔ آپ کے کتنے کی موت پر ایک بار پھر انہمار افسوس کرتا ہوں۔“

”اوہ.... ذاکٹر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں اس کتنے کو بہت عزیز رکھتی تھی۔“ اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”واقعی بہت اچھا کہا تھا۔ اس نسل کے گرے ہاؤٹر کیا ہیں۔“ شوکت نے جواب دیا۔

”ہونے والی بات تھی..... افسوس تو ہوتا ہے مگر اب ہوئی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ سوئی یہاں آئی کیسے۔“

”میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔“ ذاکٹر شوکت نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہ سوئی اس خطی بوزٹھے کی ہو۔ اس کے پاس عجیب و غریب چیزیں

ہیں..... منہوس کہیں کا۔"

"کیا آپ انہیں صاحب کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں جو ابھی اس کوٹھی سے نکلے تھے۔"

"مجی ہاں..... وہی ہو گا.....!" مجھ نے جواب دیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔ بہت عجیب و غریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہ ہمارا کرایہ دار ہے۔ پروفیسر عمران..... لوگ کہتے ہیں کہ ماہر فلکیات ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا۔ وہ دیکھئے اس نے مینار پر ایک دور میں بھی لگا رکھی ہے۔"

"پروفیسر عمران..... ماہر فلکیات..... یہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ میں نے ان کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اگر وقت ملا تو میں ان سے ضرور طلوں گا۔"

"کیا کچھ گامل کر..... دیوانہ ہے۔ وہ ہوش ہی میں کب رہتا ہے۔ وہ جانور سے بھی بدرت ہے۔" مجھ نے کہا۔ "خیر ہٹائیے ان باتوں کو۔ ڈاکٹر صاحب آپریشن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"مجی نہیں آپ مسلمان رہئے..... انشاء اللہ کوئی گز بڑنہ ہونے پائے گی۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "اچھا اب میں چلوں۔ مجھے آپریشن کی تیاری کرنا ہے۔"

ڈاکٹر شوکت قبے کی طرف چل پڑا۔ ایک شخص کھائیوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

بال بال بچ

راتے بھر شوکت کا ذہن سوئی اور کتے کی موت میں الجمارہ۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خلش بھی اس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھی جو مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا

دل تو سمجھی چاہ رہا تھا کہ وہ زندگی بھر کھڑا اس سے اسی طرح باتم کئے جائے۔ عورتوں سے بات کرنا اس کے لئے نبھی بات نہ تھی۔ وہ قریب قریب دن بھر نرسوں میں گمراہ رہتا تھا اور پھر اسکے علاوہ اس کا پیشہ ایسا تھا کہ اور دوسری عورتوں سے بھی اس کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ لیکن بھر میں نہ جانے کوئی ایسی بات تھی جو رہ رہ کر اس کا چہرہ اس کی نظر وہ کے سامنے پیش کر دیتی تھی۔

ڈاکٹر توصیف کے گھر پہنچتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ اب وہ آپریشن کی سیم مرتب کر رہا تھا۔ وہ ایک زندگی بچانے جا رہا تھا..... ایک ماہر فن کی طرح اس کا دل مطمئن تھا..... اسے اپنی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا۔ جس طرح اس کا کروہ گیا رہ بجے کھانا کھائے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر توصیف بھی نواب صاحب کی کار پر آگیا۔

”کہنے ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”ایسی تو کوئی بات نہیں، البتہ کتنے کی موت سے ہر شخص حیرت زد ہے۔ لائے دیکھوں تو وہ سوئی۔“ ڈاکٹر توصیف نے سوئی لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ دیکھئے..... بڑی عجیب بات ہے۔ معلوم نہیں سوئی کس زہر میں بھائی گئی ہے۔“

ڈاکٹر شوکت تھرمائیٹر کی ٹکلی سے سوئی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”دیکھتے ہی دیکھتے کتنا ختم ہو گیا۔“

”گراموفون کی سوئی ہے۔“ ڈاکٹر توصیف نے سوئی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”معلوم نہیں کس زہر میں بھائی گئی ہے۔“

”میرے خیال میں پونا شیم سایا نا یہ یا اس قبل کا کوئی اور زہر ہے، ڈاکٹر شوکت نے سوئی کو لے کر پھر تھرمائیٹر کی ٹکلی میں رکھتے ہوئے کہا۔“

”مجھے تو یہ سوئی خبیث پروفیسر کی معلوم ہوتی ہے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

”اس کی عجیب و غریب چیزیں اور حرکتیں دور تک مشہور ہیں۔“

”مجھے ابھی تک پروفیسر کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔ لیکن میں اس پر اسرار شخصیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں یہ جانتا ہوں کرو۔“

ایک مشہور ماہر فلکیات ہے۔ ”ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”اس کی زندگی ابھی تک پرده راز میں ہے۔ ”ڈاکٹر توفیق نے کہا۔ ”لیکن اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ اب سے دو سال چیختر وہ ایک صحیح الدماغ آدمی تھا۔ اس کے بعد اچانک اس کے عادات و اطوار میں تبدیلیاں ہوتی شروع ہو گئیں اور اب تو سمجھی کا یہ خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”میں نے تو صاحب اتنا بھائیک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ ”ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

تمہوزی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد ڈاکٹر توفیق بولا۔ ”ہاں تو آپ کا کیا پروگرام ہے۔ میرے خیال سے تو اب دو پھر کا کھانا کھالیما جائے۔“ کھانے کے دوران آپ پیشن اور دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اچانک ڈاکٹر شوکت کو کچھ یاد آگیا۔

”ڈاکٹر صاحب میں جلدی میں اپنے استنت کو کچھ ضروری ہدایات دینا بھول گیا ہوں.... اگر آپ کوئی ایسا انتظام کر سکیں کہ میرا رقعہ اس تک پہنچا دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”چلنے اب دو کام ہو جائیں گے۔ ”ڈاکٹر توفیق نے کہا۔ ”میں دراصل شہری جانے کے لئے نواب صاحب کی کار لایا تھا۔ آپ رقعہ دے دیجئے گا اور ہاں کیوں نہ آپ کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔“

”اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔“

”اس رفع کے علاوہ کوئی اور کام.....؟“

”بھی نہیں شکریہ۔ میرے خیال سے آپ ان لوگوں کو اسی طرف سے کوئی لیتے جائیے گا۔“

”بہتر ہے..... چجیے آپ کے لئے کار بیکوادی جائے گی۔“

”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں پیدل ہی آؤں گا۔“

”کیوں.....؟“

"بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپ پیش ذرا نازک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ پیش سے قبل اتنی ورزش ہو جائے جس سے جسم میں جستی پیدا ہو سکے۔"

"ڈاکٹر شوکت میں آپ کی تحریف کے بغیر نہیں رہ سکا۔ درحقیقت ایک ایجھے ڈاکٹر کو ایسا سعی ہونا چاہئے۔"

ڈاکٹر توصیف کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر شوکت نے یکے بعد دیگرے وہ کتابیں پڑھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کاغذ پر پہل سے پچھلے ڈائے گرام بنائے اور دریہ تک انہیں دیکھا رہا۔ پرانے ریکارڈوں کے پچھے فائل دیکھے۔ انہی مشغولیات میں دن ختم ہو گیا۔ تقریباً پانچ بجے اس نے کتابیں اور فائل ایک طرف رکھ دیے۔ اسے ٹھیک چھ بجے بیوال سے روانہ ہونا تھا۔ ڈاکٹر کا مہینہ تھا۔ شام کی کرنوں کی زردی بھیکی بھیکی سرخی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر توصیف کا نوکر اٹھے کی سیندوچ اور کافی لے آیا۔ رات کا کھانا سلیم کی درخواست کے مطابق اسے کوئی میں کھانا تھا۔ اس نے صرف ایک سیندوچ کھائی اور دو کپ کافی کے بعد سگریٹ سلاک کر لیتھا۔ گزری نے چھ بجاۓ۔ اس نے کپڑے پہنے اور چمڑ کا ڈسے پر ڈال کر روانہ ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹھلٹا ہوا جا رہا تھا۔ چاروں طرف ہار کی بھیل گئی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف کھنی جہاڑیاں اور درختوں کی قطاریں تھیں جن کی وجہ سے سڑک خصوصاً اور زیادہ تاریک ہو گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر شوکت آپ پیش کے خیال میں مگن بے خوف چلا جا رہا تھا۔ اس سے تقریباً پچاس گز پیچے ایک دوسرا آدمی جہاڑیوں سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ شاید اس نے ریڈ سول کے جوتے پہن رکھے تھے جس کی وجہ سے ڈاکٹر شوکت اس کے قدموں کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ ایک جگہ ڈاکٹر شوکت سگریٹ سلاکنے کے لئے رکا ساتھ ہی وہ شخص بھی رس کر جہاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا۔ جیسے عی شوکت نے چلانا شروع کیا وہ پھر جہاڑیوں سے نکل کر اسی طرح اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سڑک زیادہ چلتی ہوئی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی یہ سڑک محل کوئی کے لئے بدلی گئی تھی۔ اگر نواب صاحب نے اپنی کوئی بستی کے باہر نہ بنوائی ہوتی تو پھر اس سڑک کا وجود بھی نہ ہوتا۔

شوکت کے وزنی جتوں کی آواز اس سنان سڑک پر اس طرح گونج رعنی تھی جیسے وہ جهاڑیوں میں دبک کر ٹھیس ٹھیس ریس کرنے والے جیگروں کو ڈاٹ رعنی ہو..... شوکت چلتے چلتے ہلکے سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ اسے اپنے جتوں کی آواز سیٹی کی دھن پر تال دیتی معلوم ہو رعنی تھی۔ کسی درخت پر ایک بڑے پرندے نے چوک کر اپنے پر پھر پھڑائے اور اڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جهاڑیوں کے پیچے قریب ہی گیدڑوں نے چختا شروع کر دیا۔ جو شخص ڈاکٹر شوکت کا پیچھا کر رہا تھا اس کا اب کہیں پڑتا نہ تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر بہت زیادہ گئے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر دونوں طرف کے درختوں کی شاخیں آپس میں مل کر اس طرح گنجان ہو گئی تھیں کہ آسمان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر شوکت دنیا، ماں یہا سے بے خبر اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اچاک اس کے منز سے ایک جیچ نکلی اور ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس کے گلے میں ایک موٹی سی ری کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ پھندا کی گرفت تجھ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ وہ اوپر اٹھنے لگا۔ گلے کی رگیں پھول رعنی تھیں۔ آنکھیں حلقوں سے الٹی پڑ رعنی تھیں۔ اس نے چختا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دل کپشیوں اور آنکھوں میں ڈھڑک رہا ہو۔ آہستہ آہستہ اسے تاریکی گہری ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جیگروں اور گیدڑوں کا شور دور خلامیں ڈوبتا جا رہا تھا۔ پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔ وہ زمین سے دو فٹ کی بلندی پر جھوول رہا تھا۔ کوئی اسی درخت پر سے کوکر جهاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک آدمی اس کی طرف دوڑ کر آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے اور اہر دیکھا۔ دوسرے لمحے میں وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کوئتا ہوا وہ اس شاخ پر پہنچ گیا جس سے ری بندھی ہوئی تھی۔ اس نے ری ڈھملی کر کے آہستہ آہستہ ڈاکٹر شوکت کے چیدڑی میں پڑا دیئے پھر ری کو اسی طرح باندھ کر پہنچے اتر آیا۔ اب اس نے جیب سے چاقو نکال کر ری کاٹی اور شوکت کو ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے سڑک پر لٹا دیا۔ پھندا ڈھیلا ہوتے ہی بے ہوش ڈاکٹر گہری سائیں لے رہا تھا۔ پراسرار اجنبی نے دیا سلائی جلا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کے پوٹوں میں جنس پیدا ہو چکی تھی۔ ایسا

معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دس پانچ منٹ کے بعد ہوش میں آجائے گا۔ دو تین منٹ گزر جانے پر اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اجنبی جلدی سے جہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

تحوزی دیر کے بعد ایک کراہ کے ساتھ وہ انٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ کچھ دیر قبل کے واقعات اس کے ذہن میں گونج اٹھے..... بے اختیار اس کا ہاتھ گردن کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں رسی کا پھندانہ تھا۔ البتہ گردن بڑی بُری طرح دکھرائی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح فیک گیا۔ اب اسے فریبی مرhom کے الفاظ بُری طرح یاد آ رہے تھے اور ساتھ ہی سیتا دیوی کی خواب کی بُھی یاد آ گئی۔ ”راج روپ بُگر“ اس کے سارے جسم سے مختدعاً پسند چھوٹ پڑا۔ وہ سوچنے لگا وہ بھی کتنا اچھ تھا کہ اس نے فریبی کے الفاظ بھلا دیئے اور خوفناک جگہ پر اندر ہری رات میں تھا چلا آیا۔ اس کی جان لینے کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس نیپالی کا نقش پھر گیا جس نے اسے دھمکی دی تھی۔ پھر اچاک وہ زہریلی سوئی یاد آئی اور پروفیسر کا بھی اچاک چہرہ۔ جو اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور تھمیک اسی جگہ کتاب بھی اچھل کر گرا تھا۔ تو کیا پروفیسر..... پروفیسر..... لیکن آخر کیوں؟ یہ سب سوچنے سوچنے اسے اپنی موجودہ حالت کا خیال آیا اور وہ کپڑے جہاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چھڑ قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے چھڑا شنا کر کندھے پر ڈالا اور تیزی سے کوئی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ گھر میں وقت دیکھنے لیکن پھر دیا سلامی جلا کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔

کوئی میں سب لوگ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے سات بجے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آٹھ بجے رہے تھے۔

”شوکت بہت ہی باصول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے باغ میں ٹھلتے ہوئے کہا۔

نجھے بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھری دیکھ رہی تھی۔

”کیا بات ہو سکتی ہے۔“ کتور سیم نے بیجوں کے علی کھڑے ہوتے ہوئے پیٹھانی پر

ہاتھ رکھ کر اندر ہرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ وہ دیر میں گھر سے روشن ہوا۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ کار بجھا دوں گا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں پیدل ہی آؤں گا۔ آں یہ کون آرہا ہے..... ہو..... ڈاکٹر..... بھی انتظار کرتے کرتے آنکھیں پھرا گئیں۔“

ڈاکٹر شوکت برآمدے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ راستہ بھرا پنے چہرے سے پریشانی کے آثار منانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

”مجھے افسوس ہے۔“ ڈاکٹر شوکت نے سکراتے ہوئے کہا۔ ”اپنی حفاظت کی وجہ سے پڑے وقت نارج لانا بھول گیا..... نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گیا۔“

”لیکن آپ کے سر میں یہ اتنے سارے تھکے کہاں سے آگئے..... جی وہاں نہیں۔ پچھے کی طرف....!“ نجہ نے سکرا کر کہا۔

”تھکے..... اوہ..... کچھ نہیں..... ہٹائیے بھی کوئی اسکی خاص بات نہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کچھ بوكھلائے ہوئے بچھے میں کہا۔

”نہیں نہیں..... جاتائے نا..... آخر بات کیا ہے؟“ کنور سلیم نے سمجھی گی سے کہا۔

”اے وہ تو ایک پاگل کتا تھا..... راہ میں اس نے مجھے دوڑایا۔ اندر ہر اکافی تھا..... میں خوکر کھا کر گڑا۔ وہ تو کہنے ایک راگبیر ادھر آ لکھا ورنہ....!“

”آج کل دبیر میں پاگل کتا۔“ نجہ نے حیرت سے کہا۔ ”کتنے تو عموماً گریبوں میں پاگل ہوتے ہیں۔“

”نہیں..... یہ ضروری نہیں۔“ کنور سلیم نے جواب دیا۔ ”اکثر سردیوں میں بھی بعض کتوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ خیر..... آپ خوش قسم تھے ڈاکٹر شوکت..... پاگل کتوں کا زہر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں گے۔“

”ہاں بھی ڈاکٹر..... وہ آپ کے آدمیوں نے بیمار کے کمرے میں ساری تیاریاں کمل کر لی ہیں۔“

”وہ لوگ اس وقت وہیں ہیں.....!“ ڈاکٹر تو صیف نے کہا۔

”آپ کے انتظار میں شاید ان لوگوں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔“ نجہر بولی۔

”میرا انتظار آپ لوگوں نے تاخت کیا۔ میں آپ پیش سے قتل تھوڑا سا سوپ پیتا ہوں۔

کھانا کھا لینے کے بعد دماغ کسی کام کا نہیں رہ جاتا.....!“

”جی ہاں! میں نے بھی اکثر کتابوں میں یہی پڑھا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ دنیا کے ہر بے آدمی نے یہ ضرور کھا ہو گا۔“ نجہر نے شوخی سے کہا۔ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ نجہر سے نہ ہیں ملتے ہی وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

”خبر صاحب..... وہ کچھ کسی میں تو دن بھر میں پانچ سیر سے کم نہیں کھاتا۔“ کنور سلیم نے ہس کر کہا۔ ”کھانا دیر سے منتظر ہے۔ ہر تدرست آدمی کا فرض ہے کہ اسے انتظار کی زحمت سے بچائے۔“

سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

پرانی کوشی کے باہر

پرانی کوشی کے پائیں باغ میں پروفیسر عمران کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں کی آوازیں بلند ہو کر خلاء میں ڈوب جاتیں۔

پروفیسر کہہ رہا تھا۔ ”لیکن میں نہیں جاؤں گا۔“

”تو اس میں گزرنے کی کیا بات ہے میری جان۔“ دوسری آواز سنائی دی۔ ”نہ جانے میں تمہارا ہی نقصان ہے؟“

”میرا نقصان.....!“ پروفیسر کی آواز آئی۔ ”یونان اور روم کے دیوتاؤں کی قسم ہرگز نہ جاؤں گا۔“

”تمہیں چلتا پڑے گا۔“ کسی نے کہا۔

”سنوا سے باختال کے بچے..... تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے میری مردی کے خلاف کہیں لے جاسکو۔“ پروفیسر چینا۔

”خبر نہ جاؤ لیکن تمہیں اس کے لئے پچھتا ناپڑے گا۔ دیکھنا ہے کہ تمہیں کل سے سفیدہ کیسے ملتا ہے۔“ دوسراے آدمی نے کہا اور باغ سے نکلنے لگا۔

”خہرو..... خہرو..... تو ایسے بات کرونا۔“ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا کہ تم یہر بہوٹی کے بچے ہو۔“ پروفیسر ہس کر بولا۔

”بیر بہوٹی..... ہاں بیر بہوٹی..... مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ مالی کے جھونپڑے تک چلتا ہوگا۔“

”اچھا تو آؤ پھر چلیں۔“ پروفیسر نے کہا اور دونوں مالی کے جھونپڑے کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد پروفیسر لگڑا اتا ہوا مالی کے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے کاundھے پر ایک وزنی ٹھیک ہی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے اورہ اورہ دیکھا، پھر مالی کے جھونپڑے کی طرف گھومنڈان کر کہنے لگا۔

”ابے تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلادیوں گا۔“ چھپھونڈر کی اولاد نہیں تو..... مردی، زحل، مشتری، عطار و سب کے سب تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ ابے میں وہ ہوں جس نے سکندر اعظم کا مرغا چایا تھا۔ چکاڑر مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو اپنے دادا کا نظف ہے۔ ٹلا ہے وہاں سے کھیاں مارنے..... بڑا آیا کہیں کا تمیں مارخاں۔ تمیں مارخاں کی ایسی کی تیسی..... نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ اے غرفوں اسے کھا جاؤ۔ آؤ اسے ارسلانوں اسے چیا جاؤ۔ چیلیوں کی حرافڑانی شکلو نیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناق رہا ہوں۔ میں تیرا بھیجا ہوں..... آ جا پیاری.....!“ یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں پر ناچتا شروع کر دیا۔ پھر وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ ”میں اس آگ کا پیخاری ہوں

جو مرد میں جل رہی ہے۔ ہزار ہا سال سے میں اس کی پوچھا کرتا آرہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کر رہا ہوں لیکن ستارہ بھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لئے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گھر بیوں کے کتاب کھلاتا ہوں..... میں علیوں کے پروں سے سگریت بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے امیں تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلا دوں گا....“ وہ اور نہ جانے کیا بڑا تا اچھلا کو دتا ہوا پرانی کوٹھی کے باغ میں عائب ہو گیا۔

پروفیسر کی شرارت

مریض کے کمرے کا مختار حد درجہ متاثر کن تھا۔ نس اور ڈاکٹر سب سفید کپڑوں میں ملبوس آہست آہست ادھر ادھر آجاتے تھے۔ آپریشن نیچل جو سول ہسپتال سے خاص اہتمام کے ساتھ بیہاں لائی گئی تھی کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ مریض کو اس پر لٹایا جا چکا تھا۔ کمرے میں بہت زیادہ طاقت والے بلب روشن کر دیئے گئے تھے۔ سلاچکیوں میں گرم و سرد پانی رکھا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک دوسری میز پر عجیب و غریب قسم کے آپریشن کے اوز اور ریڑ کے دستائے پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کچھ در قبل چیش آئے ہوئے حادثے کو قطعی بھلا چکا تھا۔ اب اس کا دھیان صرف آپریشن کی طرف تھا۔ ایک آدمی کی زندگی خطرے میں تھی۔ تمام تر کوششیں صرف کر دینے کا تہبیہ کر لیا تھا۔ نوجوان ماہرا سے بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اسے اس کیس میں کامیابی ہو گئی تو اس کی شخصیت کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ کامیابی اسے ترقی کے زینوں پر لے جائے گی..... اور ناکامی! لیکن..... نہیں..... اس کے ذہن میں ناکامی کے خیال کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ ایک مشاق ماہر فن کی طرح مطلیں نظر آ رہا تھا۔ ڈاکٹر تو صیف بھی کمرے میں موجود تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک تماثلی جیسی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا اور تحریر تھا کہ یہ نوجوان لا کا کس

طرح سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے موقعوں پر اتنا اطمینان تو اس نے اچھے اچھی سحر اور تجربہ کا رہا اکثر وہ کے چہروں پر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی تعریف کر رہا تھا۔

باہر برآمدے میں نواب صاحب کی بہن اور نجمر بیٹھی تھیں۔ دونوں پریشان نظر آری تھیں۔ کوئی سلیم نہیں کر سکرہت پر رہا تھا۔

”می کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔“ نجمر نے بے تابی سے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن کتنی دری گلے گی.....؟“

”پریشان مت ہو جی۔“ بیگم صاحبہ بولیں۔ ”میرا خیال ہے کہ کافی عرصہ لگے گا۔ ممکن ہے صبح ہو جائے۔ لہذا ہم لوگوں کا یہاں اس طرح بینختا ٹھیک نہیں۔ کیوں نہ ہم ڈرائیک روم میں چل کر بیٹھیں۔ غالباً کافی اب تیار ہو گئی ہو گی۔ سلیم کیا آج تم کافی نہ پوچھے گے۔“

”کافی کا کے ہوش ہے پھوپھی صاحبہ۔“ سلیم نے سکرہت کو برآمدے میں بچھے ہوئے قائمین پر گرا کر بیڑ سے رگڑتے ہوئے کہا۔ ”میں نجمر سے زیادہ پریشان ہوں۔ مجھے تجربہ ہے کہ آپ ایسے وقت میں بھی کافی نہیں بھولیں۔“

”تم ساری قائمینوں کا ستیا ہاس کر دو گے۔“ بیگم صاحبہ نے ہاک بھوں سکوڑ کر کہا۔ ”کیا سکرہت کو دوسرا طرف نہیں پہنچ سکتے۔“

”جنم میں گئی قائمین....!“ وہ ناخن ٹکوار لبھے میں بولا۔ ”میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں۔“ ”عورت نہ بنو۔“ بیگم صاحبہ نے ٹھریے لبھے میں کہا۔ ”ابھی کتنی دری کی بات ہے کہ تم میری مخالفت کے باوجود بھی آپ پریشان کی حمایت کر رہے تھے۔ اپنی حالت کو سن جاؤ۔ تمہیں تو ہم لوگوں کو دلا سادہ نہیں چاہئے۔“

”میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو سن جاؤں لیکن یہ ممکن نہیں۔ مجھے کرٹل تیواری کے الفاظ یاد آ رہے ہیں جس نے کہا تھا کہ بچتے کی امید نہیں۔ آخر احتق لڑکا کس امید پر آپ پریشان کر رہا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خطرے کو جلد سے جلد قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”نہیں کنور صاحب....!“ ڈاکٹر توصیف نے بیمار کے کمرے سے نلتے ہوئے کہا۔
 ”مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد نواب صاحب کو خطرات سے دور کر دے گا۔“
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ سلیم اسکی طرف گھوم کر بولا۔ ”کیا آپ پریشان شروع ہو گیا۔“
 ”نہیں.....ابھی وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں اور میرا وہاں کوئی کام بھی نہیں۔ میں اس
 لئے یہاں چلا آیا کہ میں یہاں زیادہ کار آمد ثابت ہو سکوں گا۔“ ڈاکٹر توصیف نے مکراتے
 ہوئے کہا۔

”آپ بہت اچھے ہیں ڈاکٹر.....میں تو کافی ضبط و تحمل والی ہیں لیکن شاید مجھے اور سلیم کو
 جلد از جلد طبی المداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر
 کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔“
 ”اور ساتھ ہی ساتھ کافی خوبصورت بھی۔“ سلیم نے کسی قدر تلقنی سے کہا۔
 ”تم کیا بک رہے ہو سلیم۔“ نیکم صاحبہ تیزی سے بولیں اور نجد نے شرما کر سر جھکا لیا۔
 ”معاف کجھے گا پھوپھی صاحبہ میں بہت پریشان ہوں۔“ سلیم یہ کہہ کر نہ ملتا ہوا برآمدے
 کے درمیان کنارے تک چلا گیا۔

”کنور صاحب میرے خیال سے بھل کا انتظام بالکل صحیک ہو گا۔ شاید ڈائنا موکی دیکھے
 بھال آپ ہی کرتے ہیں۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

”جی ہاں.....کیوں..... ڈائنا مو بالکل صحیک چل رہا ہے لیکن اسکے پوچھنے کا
 مطلب.....!“ سلیم نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
 ”مطلب صاف ہے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ”اگر خدا نخواستہ ڈائنا مو فیل ہو گیا تو
 انہیمے میں آپ پریشان کس طرح ہو گا۔ ایک بڑے آپ پریش کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت
 ہوتی ہے۔“

”بظاہر تو ڈائنا مو فیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لیکن اگر فیل ہی ہو گیا تو میں کیا کر سکوں
 گا۔ اُف یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ڈاکٹر شوکت بڑی مصیبت میں

پڑ جائے گا۔ اوہ نہیں نہیں..... میرے خدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکا.....!" کنور سلیم کے چہرے پر بے پہنچی کے آثار پیدا ہو گئے۔

اتھے میں ایک توکر دا غسل ہوا۔

"کیوں کیا ہے....!" سلیم نے اس سے پوچھا۔

"پروفیسر صاحب نیچے کھڑے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔" توکر نے کہا۔

"پروفیسر..... مجھے..... اس وقت۔" سلیم نے حیرت سے کہا۔

"جاوہ بھی..... نیچے جاؤ....!" بیگم صاحبہ بیزاری سے بولیں۔ "کہیں وہ پاگل یہاں نہ چلا آئے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔" سلیم نے توکر سے کہا۔

"کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا.....؟"

"حضور میں نے انہیں ہر طرح سمجھایا..... لیکن وہ سختے ہی نہیں۔"

"غیر چلو دیکھوں کیا کہا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "اس پاگل سے تو میں عک آ گیا ہوں۔"

سلیم نیچے آیا..... پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے نیچتے کے لئے سر پر مظفر لپٹ رکھا تھا اور چہرہ کا لار اس کے کانوں کے اوپر تک چڑھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود وہ سردی کی وجہ سے سکڑا جا رہا تھا۔

"کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟" سلیم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ایک غیر معمولی چکدار ستارہ جنوب کی طرف لٹلا ہے۔" پروفیسر نے اشتیاق آمیز لمحے میں کہا۔ "اگر تم اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔"

"جہنم میں گئی معلومات.....!" سلیم نے جھنجلا کر کہا۔ "کیا اتنی سی بات کے لئے تم

دوڑے آئے ہو۔"

"بات تو کچھ دوسری ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تعجب خیز چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ ایک جینم

نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔" اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوشی کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

سلیم چلنے لگا لیکن اس نے لوہے کی موٹی سلاخ کو نہ دیکھا جو پروفیسر اپنی آستین میں چھپائے ہوئے تھا۔

”کھٹ.....!“ تھوڑی دور چلنے کے بعد پروفیسر نے وہ سلاخ سلیم کے سر پر دے ماری۔ سلیم بغیر آواز نکالے چکرا کر دم سے زمین پر آ رہا۔ پروفیسر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ جھکا اور بے ہوش سلیم کو اٹھا کر اپنے کامبھے پر ڈال لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہلکے چکلنے پیچے کو اٹھا لیتا ہے۔ وہ تھیزی سے پرانی کوئی کوئی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور خاموشی سے ہوا کہ وہ نوکر جو ہاں میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ یہی سوچتا رہ گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس کی کوئی میں دھکیل کرو اپس آ رہا ہو گا۔

پرانی کوئی میں جھٹ کر پروفیسر نے بیہوں سلیم کو ایک کری پر ڈال دیا اور جھک کر سر کے اس حصے کو دیکھنے لگا جو چوت لگنے کی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس نے پڑھیتانا انداز میں اس طرح سر ہلایا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی کافی دریک بے ہوش رہے گا۔ پھر اس حیرت انگیز بوڑھے نے سلیم کو پیچہ پر لاد کر میثار پر چھٹا شروع کیا۔ بالائی کرے میں اندر ہمرا تھا۔ اس نے مٹول کر سلیم کو ایک بڑے صوفے پر ڈالا اور موم ہتی جلا کر طاق پر رکھ دی۔

ہلکی روشنی میں چھڑ کے کار کے سائے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس نے سلیم کو صوفے سے باندھ دیا پھر وہ دور بین کے قریب والی کری پر بیٹھ گیا اور دور بین کے ذریعہ نواب صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ نواب صاحب کے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور نرسوں نے اپنے چروں پر سفید قاب لگائے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کھولتے ہوئے پانی سے ربر کے دستانے نکال کر پین رہا تھا۔ وہ سب آپ یشن کی میرز کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ آپ یشن شروع ہونے والا تھا۔

”بہت خوب.....!“ پروفیسر بڑا ہوا۔ ”میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا لیکن آخر اس سردی کے باوجود بھگی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بند کیں۔“

نواب صاحب کی کوئی کے گرد و پیش عجیب طرح کی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بیار کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ نیم صاحبہ کا سخت حکم تھا کہ کسی قسم کا شور نہ ہونے پائے۔ لوگ اتنی خاموشی سے جل پھر رہے تھے جیسے وہ خواب میں جل رہے ہیں۔

کوئی میں تو کر ایساں بیجوں کے مل جل رہی تھیں۔ مگر کے سارے کتے باغ کے آخری کنارے پر ایک خالی جھونپڑے میں بند کر دیئے گئے تھے تاکہ وہ کوئی کے قریب شور نہ چاکیں۔ پروفیسر دور بن پر جھکا ہوا اپنے گردوپیش سے بے خبر بیار کے کمرے کا مظہر دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا مخوب تھا کہ اس نے سلیم کے جسم کی حرکت کو بھی نہ محسوس کیا۔ سلیم آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا۔ ایک عجیب قسم کی سنتا ہٹ اس کے جسم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں پر رہی کے تناو کو بھی نہ محسوس کیا۔ دو تین بار سر جھکئے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ پھر دور ایک ٹھٹھا تا ہوا تارہ دکھائی دیا۔ تارے کے چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ آہستہ آہستہ روشنی پھیلتی گئی۔ مومنی کی لو تھرا رہی تھی۔ پروفیسر دور بن پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اخنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کیا..... وہ بندھا کیوں ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ دیر قبیل کے واقعات اسے یاد آ گئے۔

”پروفیسر آخر یہ کیا حرکت ہے۔“ اس نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔ ”آخر اس مذاق کی کیا ضرورت تھی۔“

”اچھا تم جاؤ گے۔“ پروفیسر نے سر اٹھا کر کہا۔ ”کوئی گھبرا نے کی بات نہیں۔ تم اس وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار..... تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گئی کہ میں اب گلہریوں، خرگوشوں اور مینڈ کوں کے ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا بھی شکار کرنے لگا ہوں۔ کیوں ہے نہ دلچسپ خبر....!“

پہلے تو سلیم نہ بھڑکا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سارا خون تجدہ ہو گیا ہو۔ وہ اچھی طرح جاتا تھا کہ بوڑھے نے اپنے دوسرے شکاروں کا حوالہ کیوں دیا ہے..... تو..... کیا..... تو..... کیا..... اب وہ اپنی خونی پیاس بھانے کے لئے

جانوروں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنے لگا۔

ارے!

سلیم نے شدید تجھراہت کے باوجود بھی لاپرواں کا انداز پیدا کر کے قبھر لگانے کی کوشش کی۔
”بہت اچھے پروفیسر..... لیکن مذاق کا وقت اور موقع ہوتا ہے۔ چلو..... شبابش یہ رسیاں
کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں.....!“
”صبر..... صبر..... میرے اچھے لڑکے۔“ اس نے اس کی طرف جک کر مسکراتے ہوئے
کہا۔ ”اب میری باری آئی ہاہا۔“

”تمہاری باری..... کیا مطلب....!“ سلیم نے چونک کر کہا۔
”کیا تم نہیں جانتے۔“ پروفیسر نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔
”کہو کہو میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔“ سلیم نے بے پرواں سے کہا۔
”میرا مقصد یہ تھا کہ نوجوان ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔“ پروفیسر نے
پسکون لجھے میں کہا۔ اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دوبارہ آزاد کر دیئے گئے تو ایسا نہ
ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے..... بہر حال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ
نواب صاحب کی جان پچا سکے۔ اسی لئے میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میرے بھوے سلیم کیا
سمجھے؟ میں..... کیا میں چالاک نہیں.....!“

”بہت چالاک ہو کیا کہنے....!“ سلیم نے فس کر کہا۔
”تم یہاں بالکل بے بس ہو۔ یہاں میں تمہاری خبر گیری بھی کروں گا اور بیمار کے کمرے
کا منظر بھی دیکھ سکوں گا۔“ پروفیسر نے دور بین کے ششے میں آنکھ لگاتے ہوئے کہا۔ ”نہ تو میں
احمق ہوں اور نہ میری دور بین..... محض مذاق ہے..... کیا سمجھے۔“

اچاک سلیم میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اس کی بھنوں تین گنگے۔ کچھ دیر قتل جو ہونٹ مسکرا رہے تھے بچھنگ کر رہے گئے۔ آنکھوں کی شرارت آمیز شوئی ایک بہت عی خوفناک تم کی چمک میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اب تک نفس لکھے اور کھلنڈ رانو جوان رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے چہرے پر سے ایک گہری نقاب ہٹ گئی ہو۔ وہ ایک خونخوار بھیڑیے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ ”ان رسیوں کو کھول دو نسور کے بچے۔“ وہ جیخ کر بولا۔ ”ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔“

”دھیرج..... دھیرج..... میرے پیارے بچے۔“ پروفیسر نے مڑکر پر سکون لجھے میں کہا۔ ”کل تک میں یقیناً تم سے خائف تھا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن تم اس وقت میری گرفت میں ہو..... قاتل..... سازشی..... تم بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری گمراہی کی ضرورت ہے۔“

”تم دیوانے ہو..... قطعی دیوانے۔“ سلیم نے تیزی سے کہا۔

”شاید ایسا ہی ہو.....!“ پروفیسر نے لاپرواٹی سے کہا۔ ”لیکن میں اتنا دیوانہ بھی نہیں کہ تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکوں تم اب تک مجھے ایک بے جان گمراہ ادا اوزار کی طرح استعمال کرتے آئے ہو لیکن آج کی رات میری..... کیا سمجھے۔“

سلیم کے جسم سے پینہ پھوٹ پڑا۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی۔ وہ اب تک پروفیسر کو پاگل سمجھتا تھا کہ وہ جدھر اسے لے جانا چاہتا ہے وہ بغیر سمجھے بوجھے چلا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ جھاٹا رہا۔ اس نے آج تک اپنی اصلی سرگرمیوں کی بھلک بھلی پروفیسر کے کان میں نہ پڑنے دی تھی۔ پھر اسے اسکی سرگرمیوں کا علم کیوں نکر ہوا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا لیکن ناامید نہیں۔ کیونکہ اسکی زندگی کے دوسرے پہلو کا علم پروفیسر کے علاوہ کسی اور کونہ تھا۔ پروفیسر جو پاگل تھا۔“

”تم قتل کی بات کرتے ہو۔“ سلیم نے سکون کے ساتھ کہا۔ ”خدا کی تم اگر تم نے یہ رسی فوراً ہی نہ کھول دی تو میں اپنی اس دھمکی کو پورا کر دکھاؤں گا۔ جو اکثر تمہیں دیتا رہا ہوں۔ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا کہ تم قاتل ہو۔ اپنے اسٹنٹ کے قاتل.....!“

”میں....ا۔“ پروفیر نے شرارت آمیز لمحے میں کہا۔ ”یہ میں آج ایک نئی اور دلچسپ خبر سن رہا ہوں۔ میں نے قتل کب کیا تھا۔“

”کب کیا تھا....ا۔“ سلیم نے کہا۔ ”اتنی جلدی بھول گئے۔ کیا تم نے اپنے استنشق حیم کو اپنے بنائے ہوئے غبارے میں بخاک رہنیں اڑایا تھا۔ جس کا آج تک پتہ نہیں تھا۔“ پروفیر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر عجیب حتم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ”اور ہاں اسی حادثے کے بعد سے میرا دماغ خراب ہو گیا اور تمہیں اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا۔ لہذا تم نے مجھے بلکہ میں کرنا شروع کر دیا مجھ سے ناجائز کاموں میں مدد لیتے رہے۔ مجھ سے روپیہ اشتنک رہے۔ لیکن برخوردار شاید تمہیں اس کا علم نہیں کہ میں حال ہی میں ایک سرکاری جاسوس سے مل چکا ہوں۔ تم خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے حقوق اس سے کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حیم میرے غبارے کے ٹوٹنے سے مر انہیں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی مدرس کے کسی گھٹیا سے شراب خانے میں نئے سے چوراوند ہاپڑا ہو گا اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ اس نے جو خطوط مجھے لکھے تھے تم نے راستے ہی سے غائب کر دیئے۔ بہت عرصہ ہوا تمہیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل گیا تھا۔ لیکن تم مجھے پاگل بھجو کر دو پے اشتنک کے لئے اندر رے ہی میں رکھنا چاہجے تھے۔ کہو میاں سلیم کیسی رہی۔ کیا اب میں تمہیں وہ باقی بھی بتاؤں جو میں تمہارے حقوق بھی جانتا ہوں۔“

کنور سلیم سہم کر رہا گیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروفیر کا پاگل بن کی نئے موڑ پہنچ گیا ہے جسے وہ اب تک ایک بے ضرر کچھ اکجھتا رہا وہ آج پھر انھائے اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

”خیر پروفیر چھوڑو ان حماقت کی باتوں کو۔“ سلیم نے کوشش کر کے ہٹتے ہوئے کہا۔ ”میری رسیاں کھوں دو.....آدمی بنو۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی بڑی دور بین خرید دوں گا۔ اتنی بڑی کرعچی ایک ششی کا گنبد معلوم ہو گی۔“ ”خیر و سلیم خیر و.....ا۔“ پروفیر نے دور بین کے ششی پر جھک کر کہا۔ ”میں ذرا بیمار کے

کرے میں دیکھ لوں۔ ہوں تو ابھی آپ پیش شروع نہیں ہوا۔ ایسے خطرناک آپ پیشوں میں کافی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان ڈاکٹر نواب صاحب کی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن سلیم یہ تو بڑی بُری بات ہے۔ اگر نواب صاحب وہیں برس اور زندہ رہے تو کیا ہو گا۔ تو تمہاری وراثت تم تک جلد نہ پہنچ سکے گی۔“

”اس سے کیا ہوتا ہے۔“ سلیم نے کہا۔ ”میں بہر حال ان کا وارث ہوں اور پھر مجھے اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا میں کم دولت مند ہوں۔“

”خیر..... خیر..... تمہاری دولت کا حال تو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لئے تو ایک بے بس بوڑھے سے روپے اٹھتے رہے سنو یہی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تحدتی اب نواب صاحب کی موت کی خواہاں ہے اسی لئے میں نے تمہیں اس وقت تکلیف دی ہے مجھے امید ہے کہ تم ایک سعادت مند بچے کی طرح اس کا کچھ خیال نہ کرو گے کیا تم نے آج ڈاکٹر تو صیف کو اسی لئے شہر نہیں بھیج دیا کہ نوجوان ڈاکٹر بچہ پیدل آنے پر مجبور ہو جائے۔“

”کیا فضول بکواس ہے۔“ سلیم نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

”اور پھر تم ایک ری لے کر درخت پر چڑھ گئے۔“ پروفیسر بولتا رہا۔

”کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کچھ نہیں چانتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شوکت بچہ کیسے گئے لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم مجھے اندر ہرے کی چکاڑ بسمجھتے ہو اور تمہارا خیال بھی درست ہے۔ اندر ہر ابجھ پر سورج کی طرح روشن رہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ کیا میں نہیں جانتا۔“

”تم کچھ نہیں جانتے۔“ سلیم نے مردہ آواز میں کہا۔ ”یہ محض تمہارا قیاس ہے۔“

”تم اسے قیاس کہ رہے ہو لیکن یہ سو فصد بچہ ہے۔ دیکھو سلیم ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کر دینے کی ایک وجہ اور بھی ہے جس کا تعلق آپ پیش سے نہیں۔“

”کیا.....!“ سلیم بے اختیار چوک کر چینا۔

”ٹھیک ٹھیک۔“ پروفیسر نے سر ہلایا۔ ”تمہاری جنگی اقبال جرم ہے۔“

”کیا تم نے اس خبر باز نیپالی کو روپیہ دے کر اس قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ اس احتق نے جو کے میں ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیا۔“

”یہ جھوٹ ہے..... یہ جھوٹ ہے۔“ سلیم بے صبری سے بولا۔ ”لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ یہ محض قیاس ہے..... بالکل قیاس.....!“

”مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ کیونکہ دنیا میں تمہیں ایک بڑے چالاک ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن تم نے ایک رپورٹ پر گولی چلانی تھی اور وہ رائلی میرے ہاتھ میں دے کر خود بھاگ گئے تھے۔ محض اس لئے کہ مجھے پاگل تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کو محض اتفاقیہ سمجھا جائے۔ اور کبوتو یہ بھی بتا دوں گا کہ تم اس رپورٹ کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم اسے پچھان گئے تھے۔ تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہو گیا ہے۔ اس وقت تو وہ فیکر گیا تھا لیکن آخر کار اسے تمہاری ہی گولیوں سے ہلاک ہونا پڑا۔ کیوں ہے ناقص۔“

”ند جانے تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔“ سلیم نے سنجالا لے کر کہا۔

”انس..... پک..... ٹر..... فری..... دی کی۔“ پروفیسر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رُک رُک کر کہا۔

سلیم کے ہاتھ ویرڑھیلے پڑ گئے۔ وہ یک لمحت ست پڑ گیا۔

”تمہاری دھمکیاں میرا ب کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میں اب تمہارے گال پر اس طرح چانٹا مار سکتا ہوں۔“ پروفیسر نے انٹھ کر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ ”کیوں نہ میں ان سب باتوں کی اطلاع نہجہ اور اس کی ماں کو دے دوں۔ پولیس کو تو میں اسی وقت مطلع کر دوں گا لیکن تم یہ سوچتے ہو گے کہ پولیس میری باتوں کا اعتبار نہ کرے گی کیونکہ میں پاگل ہوں۔“

”نہیں، نہیں پروفیسر تم جیت گئے۔ تم مجھے سے زیادہ چالاک ہو۔“ سلیم نے آخری پانسہ پھینکا۔

”اس رہی کو کاٹ دو۔ میں تمہارے لئے ایک بڑی شاندار آبروزی پڑی ہے تو دوں گا۔“

”تمہارا ذہن کسی وقت بھی چالباز یوں سے باز نہیں آتا۔ اچھا میں تم سے صلح کرلوں گا مگر اس شرط پر کہ تم اس مینار میں کسی راز کو راز نہ رکھو گے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھو کہ تمہارے سب راز مرتے دم تک میرے سینے میں دفن رہیں گے میں اسی لئے تم سے یہ سب اگوارہ ہوں گا تم نے مجھے بہت دنوں تک بلیک میل کیا ہے۔ اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ واقعی تم نے اس نیپالی سے ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔“

”میرے خیال سے تم بھی اتنا ہی جانتے ہو جتنا میں..... ہاں میں نے اس کے لئے روپیہ دیا تھا۔“

”پھر تمہی نے اسے قتل بھی کر دیا۔ اس لئے کہ میں وہ نام نہ بتادے۔“

”ہاں..... لیکن تمہروں.....!“

”انپکڑ فریدی پر قتل کی نیت سے تم نے ہی گولی یا گولیاں چالائی تھیں۔“

”ہاں..... لیکن تم تو اس طرح سوال کر رہے ہو جیسے جیسے.....!“

”تم نے ڈاکٹر شوکت کے گلے میں رہی کا پھندا بھی ڈالا تھا۔“ پروفیسر نے ہاتھ اخرا کر اسے بوٹے سے روک دیا۔

”پھر تمہارا دماغ خراب ہو چلا۔“ سلیم نے کہا۔ ”ہاں میں نے پھندا تو ڈالا تھا۔“ لیکن پھر اس نے کہا۔ ”تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس رہی کو کاٹ د۔ میں تم سے قطعی خوف زدہ نہیں۔ اس لئے کہاں ہم دونوں دوست ہیں۔“

”تمہارے ہوائی قلعے بہت زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے۔“ پروفیسر نے کہا۔ لیکن اس بار اس کی آواز بدی ہوئی تھی۔ سلیم چونک پڑا..... سکڑا سکڑا یا..... پروفیسنر کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے سر پر بندھا ہوا مغلکھوں دیا۔ چتر کے کالا نیچے گردیے اور موم تی طاق پر سے اخنا کر اپنے چہرے کے قریب لا کر بولا۔

”لو بیٹھا دیکھ لو میں ہوں تمہارا بابا پ انپکڑ فریدی۔“

”ارے.....!“ سلیم کے منہ سے بے اختیار لکھا اور اسے اپنا سر گھوٹا ہوا گھوٹا ہونے لگا

لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس کے چہرے کے اتار پر حادثہ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود پر قابو پونے کی کوشش کر رہا ہے۔

”تم کون ہو..... میں تمہیں نہیں جانتا اور اس حرکت کا کیا مطلب۔“ سلیم نے گرج کر کہا۔

”شور نہیں، شور نہیں۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”تم سے زیادہ مجھے کون پیچان سکتا ہے۔ جب کہ تم میرے جہازے میں بھی شریک تھے۔ اس کی تو میں تعریف کروں گا سلیم! تم بہت محاط ہو۔ اگر میں اپنے مکان سے ایک عدد جہازہ نکلو انے کا انتقام نہ کرنا تو تمہیں میری موت کا ہرگز یقین نہ ہوتا۔ اخباروں میں میری موت کی خیسن کر شاید تم رات ہی کو شہر آگئے تھے۔ میرے لئے ہسپتال سے ایک مردہ حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور شاید تم نے دوسرا دن قبرستان تک میری لاش کا پیچھا کیا۔ میں سلیم کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے سازشی ضرور ہو لیکن اچھے جاؤں نہیں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ پانچ گولیاں کھانے کے بعد باہوش و حواس پندرہ میل کی مسافت طے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اس رات تم نے سرجنت حید کے گھر کے بھی چکر کا نہ تھے لیکن شاید اس وقت تم وہاں موجود نہ تھے جب وہ نیپالی کے بھیں میں راج روپ گراس لئے آیا تھا کہ ڈاکٹر تو صیف کو اس بات کی اطلاع پولیس کو کرنے سے روک دے کر میں اس سے مل چکا ہوں اور راج روپ گرسے واپسی پر یہ حادثہ پیش آیا۔ میں نے ایک بار پورٹر کے بھیں میں مل کر سخت غلطی کی تھی۔ اس لئے کہ تم مجھے پہچانتے تھے اور کیوں نہ پہچانتے جب کہ میرا کوئی بار پیچھا کرچکے تھے۔ اس رات بھی تم نے میرا پیچھا کیا تھا۔ جب میں ”نیپالی کے قتل“ کے بعد گھر واپس آ رہا تھا..... پھر تم نے کبڑے کے بھیں میں سرجنت حید کو غلط راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں شبہ ہو گیا کہ میں تمہیں مشتبہ سمجھتا ہوں لہذا واپسی میں تم نے مجھ پر گولی چالائی اور رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں دے کر فرار ہو گئے۔ پروفیسر سے گفتگو کرتے وقت میں نے اچھی طرح اندازہ لگایا تھا کہ گولی چالانا تو درکثار وہ اس رائفل کے استعمال تک سے ہوا قفت تھے۔ تم نے مجھے قبے کی طرف مرتے دیکھا، اس موقع کو تیزیت جان کر تم وہاں سے دو میل کے فاصلے پر جہاڑیوں میں جا چھپے اور تم

ای تالگے پر گئے تھے جو سڑک پر کھڑا تھا۔ تم نے خود ہی مدد کے لئے جیچ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر تم نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اسی وقت میرے ذہن میں یعنی تدبیر آئی جسکے نتیجے میں آج تم ایک چوہے دا ان میں پھنسنے ہوئے چوہے کی طرح بے بس نظر آ رہے ہو۔“
انپکٹو فریدی اتنا کہہ کر سگریٹ سلاکنے کے لئے رک گیا۔

”نہ جانے تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو.....!“ سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ ”خیریت اسی میں ہے کہ مجھے کھولو دو..... ورنہ اچھا نہ ہو گا.....!“
”ابھی تک تو اچھا ہو رہا ہے.....!“ فریدی نے شانے ہلا کر کہا اور جھک کر دور میں میں دیکھنے لگا۔

قاتل فرار

”تو تم نہیں کھلو گئے مجھے..... دیکھو میں کہے دتا ہوں.....!“

”بس بس زیادہ شور چانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ڈاکٹر شوکت کا کارنامہ دیکھنے دو.....!
”دیکھو مسر.....!“ سلیم تیزی سے بولا۔ ”اول تو مجھے یقین نہیں کہ تم سرکاری جاسوس ہو
اور اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر تم نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں باندھ رکھا
ہے۔“

”اس لئے کہ تم ایک اقبالی مجرم ہو۔ ابھی ابھی تم نے اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔
کیا یہ تمہارے باندھ رکھنے کے لئے کافی نہیں۔“

”کیا ہمقوں کی ہی باتیں کرتے ہو۔“ سلیم نے قہقهہ لگا کر کہا۔ ”کیا تم اسے بچ سکتے ہو۔“
”جمبوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔“ فریدی نے دور میں پر جھکتے ہوئے کہا۔

”ہوش کے ناخن لو مسٹر سراغ رسائیں.....!“ سلیم بولا۔ ”کچھ دیر قبل میں ایک پاگل آدمی

سے گفتگو کر رہا تھا۔ اگر میں اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا تو وہ میرے ساتھ نہ جانے کیا رہتا تو کرتا۔ میں اس کے ظالمانہ رجیانات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہذا جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا۔ وہاں میری بھولے سراغ رسال وہ.....!

فریدی سیدھا ہو کر بینچ گیا۔ وہ سلیم کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”خیر جو ہوا سو ہوا..... مجھے فوراً کھوں دو۔ انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے افسروں سے تمہاری شکایت نہ کروں گا۔“

فریدی اسے بے بی سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونتوں پر شراحت آیز مسکراہٹ کھیل ری تھی۔

”خیر خیر کوئی بات نہیں۔“ فریدی سنبھل کر بولا۔ ”لیکن آج تم نے ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ خود میں نے دیکھی ہیں۔ ڈاکٹر شوکت کی کار میں نے بگاڑی تھی۔ میں یہ پہلے سے جانتا تھا کہ اس وقت کوئی میں کوئی کار موجود نہیں تھی۔ میں دراصل اسے پہل لے جانا چاہتا تھا۔ مخفی یہ دیکھنے کے لئے کہ حقیقتاً سازشی کون ہے۔ کیا تم کار کا بہانہ کر کے وہاں سے نہیں ٹل گئے تھے..... کیا تم نے پروفیسر کو زہری سوئی دے کر اسے شوکت سے ہاتھ ملانے کے بہانے چبھو دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ جب تم نے اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا تھا بھی میں تم سے تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر موجود تھا اور میں نے ہی شوکت کو بچایا تھا۔“

”نہ جانے تم کون ہی داستان ایمیر حمزہ بیان کر رہے ہو۔“ سلیم نے اکتا کر کہا۔ ”عقل مند آدمی ذرا سوچ تو آخر میں ڈاکٹر شوکت کی جان کیوں لینا چاہوں گا۔ جب کہ وہ میرے لئے قطیٰ اجنبی ہے۔ تم کہو گے کہ میں نے ایسا مخفی اس لئے کیا کہ بچا جان جائز نہ ہو سکیں لیکن ایسا سوچنا حماقت ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیتا اور کسی کو خبر نہ ہوتی۔“

”کیا کہا شوکت تمہارے لئے اجنبی ہے۔“ فریدی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”تم اس کے لئے اجنبی ہو سکتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نہیں۔ کیا بتاؤں کرم اس کی جان کیوں

لینا چاہتے ہو۔"

فریدی کے الفاظ کا اثر حیرت انگیز تھا۔ سلیم پھرست پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف کا اظہار ہوا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خوف اور دلیری باہمی کش کش میں جلا تھے۔ آخر کار اس نے خوف پر قابو پالیا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو.....؟" اس نے فریدی سے کہا۔

"تم کو قانون کے حوالے کرنا۔"

"لیکن کس قانون کی رو سے۔"

"تم نے ابھی ابھی اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔"

"اچھا چلو بھی سکی۔" وہ فریدی کی گھبراہٹ سے لف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ "لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اقبال جرم کیا ہے۔ عدالت میں تم کے گواہ کی حیثیت سے پیش کرو گے جب کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیراخ نہیں ہے۔ دیکھو میر فریدی مجھے جھانسادینا آسان کام نہیں۔ تم اس طرح عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلا کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"تب تو مجھ سے بڑی قلطی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "کاش

میں سرجنٹ حمید کو بھی یہاں لایا ہوتا۔"

سلیم نے زور دار قیچہ لگایا اور بولا۔ "ابھی کچھ ہو مسٹر جاوس۔"

"آف میرے خدا یا۔" فریدی نے بوکھلا کر کہنا شروع کیا۔ "لیکن تم نے ابھی میرے سامنے اقبال جرم کیا ہے کہ..... تم..... قق..... قائل ہو.....!"

"ہکلاؤ نہیں پیارے۔" سلیم بے ساختہ ہستا ہوا بولا۔ "تو میں ایک بار پھر اقبال جرم کرتا ہوں کہ میں نے ہی شوکت کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہی نیپالی کو بھی قتل کیا تھا۔ میں نے تم پر بھی گولیاں برسائی تھیں۔ لیکن پھر کیا؟ تم میرا کیا کر سکتے ہو۔ میں ایک خطاب یافت خاندان کا فرد ہوں۔ راج روپ مگر کا ہونے والا نواب۔۔۔ تمہاری بکواس پر کے

یقین آئے گا۔"

"بہت اچھے بخوردار.....!" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت عالی مند ہو گیں واضح رہے کہ اب تم نے جوابی جرم کیا ہے وہ پاکل پروفیسر کے سامنے نہیں بلکہ ملکہ سراج رسانی کے انپکڑ فریدی کے سامنے کیا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا..... میں ہزار مرتبہ اقبال جرم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہاں ہم دونوں کے سوا اور کون ہے۔ کہو تو ایک بار پھر دہرا دوں۔" سلیم نے قہقهہ لگا کر کہا۔

"بس بس کافی ہے۔" فریدی نے جملی ہوئی سگریٹ کا گلگلا چھکتے ہوئے کہا۔ "تم فریدی کو نہیں جانتے۔ ادھر دیکھو اس الماری میں..... لیکن نہیں تمہیں نہیں دکھائی دیتا۔ خبروں میں موم عقی اٹھاتا ہوں۔ دیکھو پہلا سلیم..... یہ ایک بہت زیادہ طاقت و رثا نسیم ہے اور ابھی حال یعنی کی ایجاد ہے۔ ایک مختصر ہی بیٹھی اُسے چلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کیا سمجھے اس کے ذریعہ میری اور تمہاری آوازیں ملکہ سراج رسانی کے دفتر تک پہنچ رہی ہوں گی اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ لیا جا رہا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم معمولی ذہانت کے مجرم نہیں ہو۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اب کہو کون جیتا.....؟" فریدی نے قہقهہ لگایا اور سلیم غریحال ہو کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ اسے اپنا دل سر کے اس حصے میں ہڑکتا ہو رہا تھا جہاں چوت گلی تھی۔ لیکن اس کے ذہن نے ابھی تک ٹکلت قول نہ کی تھی۔ سگریٹ کا جلا ہوا گلگلا اس کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے فریدی کی نظر بچا کر جو نہایت اطمینان سے دور بیٹھن پر جھکا ہوا تھا اسے پیدا سے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھڑکا شروع کیا۔ اب سگریٹ کا جلا ہوا حصہ ری کے سامنے کر لئے۔ ری خلک تھی یا سلیم کی تقدیر یا اور۔ آگ اپنا کام کر رہی تھی۔ فریدی بدستور دور بیٹھن پر جھکا ہوا تھا۔ دھڑا سلیم صوفے سمیت دوسرا طرف پلٹ گیا۔ فریدی چونکہ کراس کی طرف چھپتا۔ لیکن قبل اس کے کہ حیرت زده فریدی کچھ کر کے سلیم ری کے بلوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

فریدی اس پر ٹوٹ پڑا لیکن سلیم کو زیر کرنا آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں گتھے ہوئے ہانپ رہے تھے۔ سلیم کوست پا کر فریدی کو جیب سے پستول ٹکانے کا موقع مل گیا۔ لیکن سلیم نے اس پھرتی کے ساتھ اس سے پستول چین لیا جیسے وہ اس کا خطر تھا۔ اسی سکھش میں پستول چل گیا۔ فریدی نے جیخ ماری اور گرتے گرتے اس کا سر دور بین سے بکھرا گیا۔ وہ باکل بے حس و حرکت زمین پر اونڈھا پڑا تھا۔

سلیم کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ فتحا وہ ٹرانسیور کے سامنے کھڑا ہو کر بُری طرح کھانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر کھانیوں کا دورہ پڑا ہو۔ پھر بھرا کی ہوئی آواز میں بولنے لگا۔

”میں انپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔ ابھی سلیم میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ کافی جدوجہد کے بعد میں نے اس کے پیار میں گلوپی مار دی۔ اب وہ پھر میری قید میں ہے۔ میں اسے بتعانی پولیس کے پرداز کرنے جا رہا ہوں۔ بقیہ رپورٹ کل آٹھ بجے صبح۔“

اب سلیم نے ٹرانسیور کا ٹار بیٹری سے الگ کر دیا۔ اس کے پر زے پر زے ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ تیزی سے بیٹھا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔

خوفناک لمحے

انپکٹر فریدی نے اپنی موت کی خبر شائع کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ راج روپ بُر کے جنگلوں میں دشمن سے مقابلہ کرتے وقت اچانک اس کے ذہن میں یہ تدبیر آئی تھی۔ وہ خواہ تباہ اس طرح جیخ کر بھاگا تھا جیسے وہ زخمی ہو گیا ہو۔ وہ ہسپتال گیا اور وہاں چیف انپکٹر کو بلوا کر اسے سارے حالات بتائے اور اس سے مدد مانگی۔ یہ چیز مشکل نہ تھی۔ چیف انپکٹر نے پولیس کمشز سے مشورہ کر کے پولیس ہسپتال کے انچارج کریل ٹیواری

سے سب معاملے ملے کر لئے لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا کہ ڈرامہ کھلنے کا مقصد کیا ہے۔ سول ہسپتال سے خیر طریقہ پر ایک لاٹ حاصل کی گئی۔ پھر اس پر انپکٹ فریدی کامیک اپ کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سیم آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ ان سب باتوں سے فرصت پانے کے بعد انپکٹ فریدی نے بیس بدلت کر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

تیرہ دن اچاک کرٹل تواری کے تباولے کا حکم ہے گیا اور اسے صرف اتنی عی مہلت مل سکی کہ اس نے ڈاکٹر تو صیف کو ایک خط لکھ دیا انپکٹ فریدی کو اب تک سیم پر محض شہر تھا۔ اس کی تحقیقات کا رخ زیادہ تر پروفیسر عی کی طرف رہا۔ اس سلسلے میں اسے اس بات کا علم ہوا کہ سیم پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر اپنے آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔ پروفیسر کے متعلق اس نے ایک بالکل عین غنی بات معلوم کی جس کی اطلاع سیم کو بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ پروفیسر ناجائز طور پر کوئین حاصل کیا کرتا تھا..... جس طریقہ سے کوئین اس تک پہنچا کرتی تھی وہ انتہائی دلچسپ تھا۔ اسے ایک ہفتہ کے استعمال کے لئے کوئین ملا کرتی تھی۔ کوئین فروشوں کے گروہ کا ایک آدمی ہر ہفتہ ایک پیٹ کوئین اس کے لئے لا کر پرانی کوٹھی کے باعثے میں چھپا دیا کرتا تھا۔ وہیں اس کے دام بھی رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ دو ایک بار اسے مالیوں نے نوکا بھی لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر ہال دیا کہ وہ دوا کے لئے پیر بھوٹی تلاش کر رہا ہے۔ فریدی نے فی الحال اس گروہ کو پکڑانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا۔ ڈاکٹر شوکت کے راج روپ مگر جانے سے ایک دن قبل عی اس نے کوٹھی کے ایک مالی کو بھاری رقم دے کر ملا لیا تھا۔ اس نے کوٹھی کے افراد کے متعلق سب کچھ جان لینے میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ آپ پیش والی رات کو سرجنت حمید بھی وہاں آگیا۔ فریدی نے اسے پروفیسر کو بہلا پھالا کر مالی کے جھوپڑے تک لانے کے لئے تیزیات کر دیا۔ اس کے لئے پوری ایکم پہلے ہی مرتب ہو چکی تھی۔ حمید نے پروفیسر سے کوئین فروشوں کے گروہ کے ایک نمائندے کی خاصیت سے ملاقات کی اور اسے کوئین دینے کا لائج دلا کر مالی کے جھوپڑے تک لا دیا۔ یہاں اسے کوئین میں کوئی تیز قسم کی نشی چیز دی گئی جس کے اثر سے پروفیسر بہت جلد بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد انپکڑ فریدی نے اس کے کپڑے خود پہن لئے اور ٹرانسیسٹر کو تھوڑی میں باندھ کر جھونپڑے سے نکل گیا۔ جھونپڑے سے باہر جس نے اچھل کو دیکھا تھی وہ انپکڑ فریدی ہی تھا۔ جب فریدی کو گئے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تو حمید کا دل گھبرا نے لگا۔ اس نے سوچا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آگیا ہو۔ ہر چند کہ فریدی نے اسے بے ہوش پر و فیر کو سوتا چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اس کا دل نہ مانا۔ وہ پر و فیر کو سوتا چھوڑ کر پرانی کوشی کی طرف روانہ ہو گیا۔ مینار میں وہ اس وقت داخل ہوا جب سیم جا چکا تھا۔ ٹرانسیسٹر چور چور ہو کر فرش پر نکلا ہوا پڑا تھا اور فریدی ابھی تک اسی طرح پڑا تھا۔ حمید بدقت تمام اپنی جنگ روک سکا۔ اس نے دوڑ کر فریدی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا..... بظاہر کہیں کوئی چوتھا معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دری بعد کراہ کر اس نے کروٹ بدلتی۔ حمید اسے ہلانے لگا..... وہ چونک کرائھ بیٹھا۔

”تم....!“ اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ”وہ مردوں کہاں گیا....؟“

”کون....؟“

”وہی سیم....!“ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”افسوں ہاتھ آ کر نکل گیا۔“ پھر اس نے جلدی جلدی سارے واقعات بتا دیئے۔

”اس نے تو اپنی دانت میں ماری ڈالا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن جیسے ہی اس نے گولی چلائی.... میں نے پھر ایک بارا سے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن برا ہوا اس دور میں کا کرب کیا دھرا غاک میں مل گیا۔ اگر میرا سر اس سے نہ نکلا جاتا تو پھر میں نے پالا مار لیا تھا۔ اور اس ٹرانسیسٹر کو کیا ہوا..... توڑ دیا کم بخت نے۔ ایسا دلیر مجرم آج تک میری نظر وہ سنبھل گزرا....!“

”آئیے.... تو چلنے اسے ٹلاش کریں۔“ حمید نے کہا۔

”پاگل ہوئے ہو..... اب تم اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ وہ معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔“ فریدی نے اٹھنے ہوئے کہا۔ ”دیکھوں تو آپریشن کا کیا رہا....!“

اس نے "ورثین کے شیشے سے آنکھ لگا دی۔ تھوڑی دریکھ خاموش رہا۔

"ارے....! وہ چونکہ کر بولا۔" یہ پائپ کے سہارے دیوار پر کون چڑھ رہا ہے۔"

"سلیم.... اس کا کیا مطلب.... ارے وہ تو کھڑکی کے قریب پہنچ گیا.... یہ اس نے جیب سے کیا چیز نکالی.... ہیں.... یہ عکلی کیسی.... ارے لو غصب وہ عکلی کو ہوتنوں میں دبارہ ہے.... قلقل.... حمیداب ڈاکٹر شوکت اتنی خاموشی سے قلقل ہو جائے گا کہ اس کے قریب کھڑی نریں کو بھی اس کی خبر نہ ہوگی۔ اُف کیا کیا جائے.... جتنی دری میں ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کام کر چکا ہو گا۔ کم بجت پتوں بھی تو اپنے ساتھ لیتا گیا۔"

"پتوں میرے پاس ہے....!" حمید نے کہا۔

"لیکن بے کار.... اتنی دور سے پتوں کس کام کا.... اوہ کیا کیا جائے۔ اس کی عکلی میں وہ زہر ملی سوئی ہے۔ ابھی وہ ایک پھونک مارے گا اور سوئی عکلی سے نکل کر ڈاکٹر شوکت کے جا گلے گی۔ اُف میرے خدا.... اب کیا ہو گا۔ وہ شاید نشانہ لے رہا ہے۔ اوہ ٹھیک یاد آ گیا.... میں نے وہ رائلکل نیچے دیکھی تھی۔ سخبو..... میں ابھی آیا!" فریدی یہ کہہ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں وعی چھوٹی سی ہوائی رائلکل تھی جو اس نے پروفیسر کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کی میگرین میں کئی کارتوں باقی تھے۔

"ہشو..... ہشو..... کھڑکی سے جلدی ہشو۔ اس نے کھڑکی سے نشانہ لیا۔ بیمار کے کمرے سے آتی ہوئی روشنی میں سلیم کا نشانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے رائلکل چلا دی۔ سلیم اچھل کر ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آ رہا....!"

"وہ مارا....!" اس نے رائلکل پھینک کر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے کہا۔ حمید بھی اس کے پیچے تھا۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب نیکم صاحب، نجہ، ڈاکٹر تو صیف اور کئی ملازمین وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ عورتوں کی جنی و پکار سن کر ڈاکٹر شوکت بھی نیچے آ گیا تھا۔

فریدی نے اس کے کانہ میں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "کہو ڈاکٹر آپریشن کا کیا رہا....?" شوکت چونکہ کر دو قدم پیچے ہٹ گیا۔

”تم....!“ اس نے منہ بچاڑے ہوئے حیرت سے کہا۔

”ہاں ہاں میں بھوت نہیں۔ بتاؤ آپ پریشن کا کیا رہا۔“

”کامیاب....!“ شوکت نے بوکھلا کر کہا۔ ”لیکن.....لیکن....!“

”میں محض تمہارے لئے مرا تھا.....میرے دوست اور یہ دیکھو آج جس نے تمہارے
گلے میں چانسی کا پھنداڑا لاتھا تمہارے سامنے مردہ پڑا ہے۔“

اب سارے لوگ فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”آپ لوگ براؤ کرم لاش کے قریب سے ہٹ جائیے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور حیدر تم
ڈاکٹر شوکت کی کار پر تھانے پڑے جاؤ۔“

”تم کون ہو....!“ بیگم صاحب گرج کر بولیں۔

”محترمہ میں محلہ سراغِ رسانی کا انپکٹر ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں سرکس والے نیپالی
کے قائل اور ڈاکٹر شوکت کی جان لینے کی کوشش کرنوالے کی لاش تھانے میں لے جانا چاہتا ہوں۔“

”نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔“ نجمہ نے آنسو پوچھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

”جو کچھ میں بک رہا ہوں اس کی وضاحت قانون کرے گا۔“

انکشاف

ایک ہفتے کے بعد نجمہ اور ڈاکٹر شوکت کوئی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

”اُف فوہ کس قدر شریر ہو تم نجمہ....!“ شوکت نے کہا۔ ”آخر بیچارے مالیوں کو عک-

کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کیا ریاں جو تم نے بگاڑ دی ہیں۔ مالی اسکا غصہ کسی کے اوپر اٹا ریں گے۔“

”میں نے اس لئے بگاڑی ہیں یہ کیا ریاں کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتی ہوں۔“

”کیا مطلب....!“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”بھی کہ تم ان کا آپریشن کر کے انہیں پھر تھیک کر دو گے۔“ نجم نے شوخی سے کہا۔

”انہیں تو نہیں..... لیکن شادی ہو جانے کے بعد تمہارا آپریشن کر کے تمہیں بندریا ضرور دوں گا۔“

”شادی..... بہت خوب..... غالباً تم یہ سمجھتے ہو کہ میں حق تھم سے شادی کروں گی۔“

”تم کرو یا نہ کرو لیکن میں تو کر دیں لوں گا۔“

”تو مجھے بندریا ہانے سے کیا فائدہ..... کیوں نہ تمہارے لئے ایک بندریا پکڑ والی جائے۔ آپریشن کی زحمت سے نقچ جاؤ گے۔“

”اچھا خبر و بتاتا ہوں..... ہلو بھائی فریدی۔ آؤ آؤ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“
فریدی اور حمید کار سے اتر رہے تھے۔

”نواب صاحب کا کیا حال ہے۔“ فریدی نے شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”اجھے ہیں..... تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آؤ چلو اندر چلیں۔“

نواب صاحب گاؤں تکنے سے فیک لگائے انگور کھار ہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر بولے۔

”آؤ آؤ میاں فریدی..... میں آج تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں دیکھا تھا جب مجھے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل تو میرے میٹے کا حکم مجھ پر چل رہا ہے۔“

نواب صاحب نے شوکت کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کو اچھا دیکھ کر مجھے انتہائی سرست ہے۔“ فریدی نے صوف پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
تحوری دریک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ ”فریدی میاں تمہیں اس بات کا علم کیوں کر رہا تھا کہ شوکت میرا بیٹا ہے۔“

”میں داستان کا بقیر حصہ آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں بھی..... پہلے تم بتاؤ۔“ نواب صاحب بولے۔

”میری کہانی زیادہ بھی نہیں..... صرف دو لفظوں میں ختم ہو جائے گی۔ جب میں پہلی بار سلیم سے روپورث کے بھیس میں ملا تھا..... اس وقت میں نے آپ کے والد ماجد کی تصویر دیکھ کر

اندازہ لگایا تھا کہ اس کوئی فرد ڈاکٹر شوکت کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ شوکت کی شکل ہو بہنو اب صاحبِ مرحوم کے لئے ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ جس بات کا علم ڈاکٹر شوکت کو نہیں تھا اس کا علم سلیم کو کیوں نہ ہوا۔“

”غالباً میں بیویوں کے دوران میں کچھ بک گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیم زیادہ تر میرے قریب ہی رہتا تھا۔ فریدی میاں یہ ایک بہت ہی پروردہ داستان ہے۔ میں تمہیں شروع سے سناتا ہوں۔ شوکت کی ماں ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی نچلے طبقے سے بھی تعلق نہ رکھتی تھی۔ ان میں صرف اتنی خرابی تھی کہ ان کے والدین ہماری طرح دولت مندن تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن والد صاحبِ مرحوم کے ڈر سے کھلم کھلا شادی نہ کر سکتے تھے۔ لہذا ہم نے چپ کر شادی کر لی۔ ایک سال کے بعد شوکت پیدا ہوا لیکن اس کی پیدائش کے چھ ماہ بعد ہی وہ ایک مہلک مرض میں جلا ہو گئیں۔ اسی حالت میں وہ دو سال تک زندہ رہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو جاگیردارانہ ماحول سے الگ رکھ کر اعلیٰ تعلیم دلائیں۔ وہ ایک رحم دل خاتون تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے خدمت خلق کرے۔ یہ ان کا خیال تھا اور بالکل درست تھا۔ کہ جاگیردارانہ ماحول میں پڑے ہوئے بچے کے دل میں غربوں کا درد قطعی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ دم توڑ ری تھی تو انہوں نے مجھ سے وعدہ لے لایا تھا کہ اس وقت تک میں شوکت پر یہ بات ظاہرنہ کروں گا جب تک وہ ان کی خواہش کے مطابق ایک اچھے کردار کا مالک نہ ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے شوکت کو سپیتا دیوی کے پرداز دیا۔ میں تھیرہ طور پر سپیتا دیوی کی مدد کیا کرتا تھا۔ خدا جنت نصیب کرے اسے بڑی خوبیوں کی مالک تھی۔ آخر کار اس نے شوکت کے لئے جان دے دی۔ شوکت کی ماں کے انتقال کے بعد میرا دل ثوٹ گیا اور پھر میں نے دوسرا شادی نہیں کی اور دنیا بھی سمجھتی رہی کہ میں ساری زندگی کتوار ابی رہا۔“

نواب صاحب نے پھر شوکت اور بھر کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ”اب میری زندگی میں پھر سے بہار آگئی ہے..... اے خدا..... اے خدا.....!“ ان کی آواز ٹکو گیر ہو گئی

اور ان کی آنکھوں میں آنسو چکل پڑے۔

”فریدی میاں....!“ نواب صاحب بولے۔ ”اس سلسلے میں تمہیں جو پریشانیاں اٹھائی پڑی ہیں ان کا حال مجھے معلوم ہے۔ بخدا میں تمہیں شوکت سے کم نہیں سمجھتا۔ تم بھی مجھے اتنے عی عزیز ہو جتنے کر شوکت اور نجمر....!“

”بزرگانہ شفقت ہے آپ کی....!“ فریدی نے سر جھکا کر آہتہ سے کہا۔ ”ہاں بھی..... وہ بیچارے پروفیسر کا کیا ہوا۔ کیا وہ کسی طرح رہا نہیں ہو سکتا۔“ نواب صاحب بولے۔

”ناوقتیکر کو کہیں فردشوں کا گروہ گرفتار نہ ہو جائے۔ خاتون بھی نہیں ہو سکتی۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن میں اسے بچانے کی جتنی الامکان کوشش کروں گا۔“

”اچھا بھی اب تم لوگ جا کر چائے پو۔ ارے ہاں ایک بات تو بھول عی گیا۔ اگلے میں شوکت اور نجمر کی شادی ہو رہی ہے۔“ نواب صاحب نے نجمر اور شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ابھی سے کہے دعا ہوں فریدی میاں کر تمہیں اور حید صاحب کو شادی سے ایک ہند قل عی جھشی لے کر یہاں آ جانا پڑے گا۔“

”ضرور ضرور....!“ فریدی نے دلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مبارک ہو....!“ نجمر اور شوکت نے شرم کر سر جھکالا۔

تحوڑی دری کے بعد چاروں ڈرائیک روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ”بھی فریدی تم کب شادی کر رہے ہو؟“ ڈاکٹر شوکت نے چائے کا گھوٹ لے کر پیاں میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”کس کی شادی....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اپنی بھی....!“

”اوہ..... میری شادی....!“ فریدی نے پس کر کہا۔ ”سن میاں شوکت اگر میری شادی ہوتی تو تمہاری شادی کی نوبت نہ آتی۔“

”وہ کیسے...؟“

”سیدھی سی بات ہے۔ اگر میری شادی ہو گئی ہوتی تو میں بچوں کو دودھ پلاتا یا سراغ رسانی کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی شادی شدہ شخص کامیاب جاسوس ہوئی نہیں سکتا۔“

”تب تو مجھے ابھی سے استغفاری دینا چاہئے۔ میں شادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“ حمید نے اتنی مخصوصیت سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔

”تو پھر کیا تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔“ شوکت نے کہا۔

”ارادہ تو بیسی ہے۔“ فریدی نے سگار سلاگاتے ہوئے کہا۔

”بھی تم تیری طرح سگار پیتے ہو۔ تمہارا پیچھہ ڈالا کل سیاہ ہو گیا ہو گا۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

”اگر سگار بھی نہ پیوں تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔“

”تو یہ کہنے کہ سگار ہی شریک زندگی ہے۔“ نجمرہ نہیں کر بولی۔

حمدیہ قہہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بقیہ لوگ صرف مسکرا کر رہے گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا پرقداق جملہ نہیں تھا۔ لیکن فریدی حمید کی عادت سے واقف تھا۔ وہ عورتوں کے پھوڑ جلوں پر خوب محفوظ ہوا کرتا تھا۔

”ہاں بھی فریدی یہ بتاؤ کہ تم مرے کس طرح تھے۔ مجھے یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔“

ڈاکٹر شوکت نے پوچھا۔

”یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصر آہتاں گا۔ مجھے شروع ہی سے سلیم پر شبہ تھا لیکن میں نے شروع ہی میں ایک بنیادی غلطی کی تھی۔ جس کی بناء پر مجھے مرنا پڑا۔ حالانکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ نیپالی کا قاتل ہم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہے اور وہ ہم لوگوں کو اچھی طرح پیچاتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ یہ تھی کہ میں سلیم سے روپورٹ کے بھیں میں ملا تھا۔ وہ مجھے پیچان گیا اور اس نے واپسی پر مجھ پر ہواںی رائل سے فائز کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ اس نے رائل پروفیسر کے ہاتھ میں تھادی اور خود عاشرب ہو گیا۔ پروفیسر کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ وہ

کچھ خبیث سا واقع ہوا ہے۔ سلیم اسے اپنا آں کار بنائے ہوئے تھا۔ کئی سال کی بات ہے جب پروفیسر یہاں نہیں آیا تھا اچھا خاصا تھا وہ ان دنوں ایک تجربہ کر رہا تھا۔ اس نے چاند کا سفر کرنے کے لئے ایک غبارہ بنایا تھا۔ تجربہ کے لئے اس نے پہلی بار اپنے اسٹنٹ فیم کو اس غبارے میں بٹھا کر اڑایا، شاید فیم غبارے کو اتنا نے کی تدبیر بھول گیا تھا یا یہ کہ اس کی مشین خراب ہو گئی تھی۔ غبارہ پھر پروفیسر کی دانست میں زمین کی جانب نہ لوٹا حالانکہ اس کا خیال غلط تھا۔ فیم غبارے سمیت دراس کے ایک گاؤں میں گرا حالانکہ اسے کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن گاؤں والوں کی تھارداری اور دیکھ بھال کی بنا پر بچ گیا۔ اسی دوران اسے ایک بازاری بُکی سے عشق ہو گیا اور وہ ویس رہ گیا۔ پروفیسر ان سب باتوں سے نادافع تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اس پر بیٹھاں میں وہ قریب قریب پاگل ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے شہر کی سکونت ترک کر دی اور راج روپ میں آگیا۔ فیم نے اسے خط لکھے جو اس کی پرانی قیام گاہ سے پھرتے پھراتے یہاں راج روپ مگر پہنچ۔ وہ خطوط کسی طرح سلیم کے ہاتھ لگ گئے اور اس طرح اسے ان واقعات کا علم ہو گیا۔ اب اس نے پروفیسر پر اپنی واقفیت کی دھونس جما کر بلیک میل کرنا شروع کیا۔ مجھے ان سب باتوں کا علم اس وقت ہوا جب میں ایک رات چوروں کی طرح اس کوٹھی میں داخل ہوا اور سلیم کے کمرے کی ٹلاٹی لی۔ فیم کے لکھے ہوئے خطوط اچانک مل گئے۔ اس طرح میں معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اسی وقت میں اس نتیجہ پر بھی پہنچا کہ مجھ پر گولی سلیم ہی نے چلائی تھی۔ کیونکہ پروفیسر تو اس رائق کے استعمال سے نادافع تھا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہاں تو بات سیرتے مرنے کی تھی۔ جب میں سلیم اور ڈاکٹر تو صیف سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ سلیم نے راستے میں دھوکا دے کر مجھے روکا اور جھاڑیوں کی آڑ سے مجھ پر گولیاں چلانے لگا۔ میں نے بھی فائز کرنے شروع کر دیئے۔ اسی دوران میں اچانک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے تمیز کر لیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہئے کہ اب میرا وجہ اس دنیا میں نہیں، ورنہ ہوشیار مجرم ہاتھ آنے سے رہا۔ لہذا میں نے ایک بیچ ماری اور بھاگ کر اپنی کار میں آیا اور شہر کی طرف مل پڑا۔ میں سیدھا ہپتاں پہنچا اور

وہاں کپاڑوں میں موڑ سے اترتے وقت غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ میں نے ڈاکٹر کو اپنی ساری اسکیم سے آگاہ کر دیا اور اپنے چیف کو بلوا بھیجا۔ اسے بھی میں نے سب کچھ بتایا۔ پھر وہاں سے میرے جہازے کا انتظام شروع ہوا۔ قسمت میرے ساتھ تھی اس دن اتفاق سے ہسپتال میں ایک لاوارث مریض مر گیا تھا۔ میرے محلہ کے لوگ اسے اسڑچھر پر ڈال کر اچھی طرح ڈھانک کر میرے گھر لے آئے۔ پڑوی اور دوسرا جانے والے اسے میری لاش ہی سمجھے۔ میری موت کی خبر اسی دن شام کے اخبارات میں شائع ہو گئی تھی۔ پھر میں نے اسی رات حید کو ایک نیپالی کے بھیس میں ڈاکٹر تو صیف کے پاس بھیجا اور اسے تاکید کر دی کہ وہ میری راج روپ گھر میں آمد کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔ لہذا یہ بات چھپی ہی رہی کہ اس دن میں راج روپ گھر گیا تھا۔ اس طرح سلیم دھوکا کھا گیا۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ اس پر شبہ کرنے والا اب اس دنیا سے چل بسا اور اب وہ نہایت آسانی کیا تھا اپنا کام انجام دے سکے گا۔

میں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح راج روپ گھر لے جاؤ۔ لہذا میں نے ڈاکٹر تو صیف سے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ ذرا جلد از جلد تمہیں راج روپ گھر لے جائے۔ جب تم وہاں پہنچے تو میں سائے کی طرح تمہارے پیچے لگا رہا۔ تمہاری کار میں نے ہی خراب کی تھی۔ مجھے یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ اس وقت کوئی کار موجود نہیں ہے لہذا میں نے یقین کر لیا کہ تم اس صورت میں پیدل ہی جاؤ گے۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ سلیم تمہیں نواب صاحب کے آپریشن سے پہلے ہی ختم کرنے کی کوشش کرے گا لہذا میں نے اسے موقع واردات ہی پر گرفتار کرنے کے لئے تمہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کم بخت نے وہ حرہ استعمال کیا جس کا مجھے گمان تک نہ تھا۔ تم واقعی قسمت کے اچھے تھے کہ وہ سوئی پروفیسر کے ہاتھ سے گرفتی ورنہ تم ختم ہو جاتے اور مجھے پہ بھی نہ چلا۔ اس کے بعد تم قبیلے میں پہنچے اور میں ایک مالی کے خالی جھونپڑے میں بیٹھ کر پلان بناتا رہا۔ یہ تو مجھے تمہاری زبانی معلوم ہو گیا تھا کہ تم شام کو بھی پیدل ہی آؤ گے۔ اسی دوران مجھے پروفیسر کے بارے میں کچھ اور باقی میں بھی معلوم ہوئیں۔ خلاصہ ایک تو بھی کہ وہ کوئی کھانے کا عادی ہے اور غیر قانونی طریقہ پر اسے حاصل کرتا ہے لو بھلا دیکھو با توں ہی با توں

میں بہکتا چلا جا رہا ہوں۔ باقی حالات بتانے سے کیا فائدہ..... وہ تو تم جانتے ہی ہو گے۔
بہر حال یہ تھی میرے مرنے کی داستان۔“

”خدا تمہاری مغفرت کرے۔“ ڈاکٹر شوکت نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو فریدی بھائی..... اب تو آپ کی ترقی ہو جائے گی۔ دعوت میں ہمیں نہ بھولے گا۔“
نجہ نے مسکرا کر کہا۔

”میں ترقی کب چاہتا ہوں۔ اگر ترقی ہو گئی تب تو مجھے شادی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے آفس ہی میں بینٹے کر کھیاں مارنی پڑیں گی۔ پھر دن بھر کھیاں مارنے کے بعد مگر پر تو مجھ سے کھیاں نہ ماری جائیں گی اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ گھر پر کھیاں مارنے کے لئے مجھے ایک عدد بیوی کا انتظام کرنا ہی پڑے گا جو میرے لہس کا روگ نہیں۔“

”نجہ شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے فریدی صاحب سراغ رسانی کا شوق پورا کرنے کے لئے اس ملکے میں آئے ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ”ورنہ یہ خود کافی مالدار آدمی ہیں اور اتنے کثبوں ہیں کہ خدا کی پناہ۔“

”اچھا..... یہ میں آج ایک نئی خبر سن رہا ہوں کہ میں کثبوں ہوں۔ کیوں بھائی میں کثبوں کیسے ہوں۔“

”شادی نہ کرنا کچھوئی نہیں تو اور کیا ہے۔“ نجہ نے کہا۔

”اچھا بھائی حید اب چلتا چاہئے ورنہ کہیں یہ لوگ حق بحق میری شادی نہ کر دیں۔“
فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ابھی بیٹھنے نا..... اُسکی جلدی کیا ہے۔“ نجہ بولی۔

”نہیں بہن اب چلوں گا۔ کئی ضروری کام ابھی تک ادھورے پڑے ہیں۔“

نجہ اور شوکت دونوں کو کارکے پہنچانے آئے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد شوکت بولا۔ ”ایسا حیرت انگیز آدمی میری نظر دوں سے نہیں گزرا۔ پڑھنیں پتھر کا ہاہے یا الہے کا..... میں نے آج تک اسے یہ کہتے نہیں سنا کہ آج میں بہت تحکما ہوا ہوں۔“

”اس کے برخلاف سرجنت جمیڈ بالکل مرغی کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔“ نجف نہ کر بولی۔
”کیوں.....؟“

”نہ جانے کیوں مجھے اس کی ناک دیکھ کر مرغی کے بچے یاد آ جاتے ہیں۔“
”بہر حال آدمی خوش مزاج ہے۔ اچھا آؤ اب اندر چلیں..... سردی تیز ہوتی جاری
ہے۔“

تمام شد